ĪQĀN- Vol: 03, Issue: 02, Jun-2021
DOI: 10.36755/iqan332.2021-PP: 41-56

OPEN ACCESS
ĪQĀN
pISSN: 2617-3336
eISSN: 2617-3700
www.iqan.com.pk

اسلام میں غیر مسلموں کے بارے میں خصوصی احکامات کی نوعیت: ایک تجزیاتی مطالعہ

The Nature of Special Injunctions regarding Non-Muslims in Islam: An Analytical Study

*** Dr. Munazza Hayat,** <munazza.farhan@hotmail.com>
Associate Professor, Department of Islamic Studies,
Bahauddin Zakariya University, Multan, Pakistan.

Version of Record
Received: 10-Mar-21; **Accepted**: 01-Jun-21; **Online/Print**: 30-Jun-21

ABSTRACT
Islam has taught to maintain relations with non-Muslims and pay their dues despite differences of faith. But the Quran also instructs not to have relations with non-Muslims. There can be misunderstandings, so it should keep in mind the circumstances in which these verses were revealed. The concept of jihad in Islam has been distorted by the enemies of Islam. The Qur'an says that no one can force anyone to accept Islam, nor can we declare war on any country just to force him to convert to Islam. The Qur'anic injunctions in this regard are clear. Islam only commands non-alignment with those who abuse Muslims and try to eradicate them. Islam commands non-Muslims to be kind and compassionate towards Muslims in contrast to this attitude. Therefore, it is not correct to call the attitude of the Holy Qur'an towards opponents and enemies as a general attitude towards all non-Muslims, because the Holy Qur'an itself commands the treatment of neutral non-Muslims. This article reviews to keep an eye on the palace and the background of the verses in which it is commanded not to have relations with non-Muslims.
Keywords: *Islam, Special Injunction, Relations, Non-Muslims.*

تعارف:

اسلام نے غیر مسلموں سے ایمان و عقیدہ کے اختلاف کے باوجود ان سے تعلقات قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دی ہے۔ لیکن قرآن مجید میں غیر مسلموں سے عدم تعلّق کی بھی ہدایت کی گئی ہے۔ جن آیات میں غیر مسلموں سے تعلقات نہ رکھنے کا

CC BY

حکم دیا ہے ان آیات کے موقع محل اور پس منظر پر نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے نہ سمجھنے سے غلط فہمی ہو سکتی ہے اس لیے ان حالات کو سامنے رکھنا ہوگا جن میں وہ نازل ہوئیں۔ غیر مسلموں سے تعلقات کے سلسلہ میں اصل صلح ہے جنگ نہیں۔ اسلام میں جہاد کے تصور کو دشمنان اسلام نے توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے، قرآن حکیم میں ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ [1] ''دین کے معاملہ میں جبر نہیں'' یعنی ہم کسی کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتے اور نہ کسی ملک کے خلاف صرف اس لیے اعلان جنگ کیا جا سکتا ہے کہ اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اس سلسلہ میں قرآنی احکام واضح ہیں۔

تمام مسلمان فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مذہبی رواداری کا استحقاق ''اہل کتاب'' کو حاصل ہے جن سے مراد بنیادی طور پر عیسائی اور یہودی مذاہب ہیں اور ان کے ساتھ کچھ اور فرقے بھی، جو براہ راست یا بالواسطہ طور پر اہل کتاب کے زمرے میں شامل ہوتے ہیں جیسا کہ صابئین وغیرہ۔ اہل کتاب کے ضمن میں ہی مجوسیوں کو بھی حدیث رسول ﷺ کی بنیاد پر شامل کیا گیا ہے۔[2] بعض فقہاء نے عرب بت پرستوں (مشرکین) کے لیے مذہبی رواداری کے حق کو تسلیم نہیں کیا اور ان کے لیے دو ہی صورتیں رکھیں کہ یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا ان سے جنگ کی جائے۔ کیونکہ قرآن و سنّت کے ظاہری الفاظ و متن سے یہی ظاہر ہوتا ہے لیکن اگر ان تمام آیات کا بغور جائزہ لیا جائے جو مکی اسلامی دور کی ابتدا سے لے کر مدینہ میں دور نبوی ﷺ کے اختتام تک غیر مسلموں کے حوالے سے نازل ہوئی ہیں تو یہ بات نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ غیر مسلموں کے بارے میں اسلام کا حقیقی نقطہ نظر کہیں زیادہ متوازن اور متناسب ہے بمقابلہ اس نقطہ نظر کے جو فقہاء سلف نے پیش کیا ہے۔ اسلام نے آخر میں بھرپور جنگ کا جو رجحان اختیار کیا تھا وہ بنیادی طور پر صرف اسلام دشمن بت پرست عدنانی بدوؤں اور ان کی قریش قیادت کے خلاف تھا۔[3] مدینہ میں اور پھر خیبر میں یہودیوں کے ساتھ ایک لمبی خون ریز کشمکش کے باوجود جس کے نتیجہ میں یہودیوں کی سیاسی و فوجی طاقت تباہ کی جا چکی تھی، یہودیوں کو مدینہ میں امن و امان کے ساتھ رہنے کی اجازت دی گئی تھی۔ ان کے ساتھ مذہبی رواداری برتی گئی اور ان پر اسلام قبول کرنے کے لیے کبھی جبر نہیں کیا گیا۔ ان کا اس حد تک احترام کیا گیا کہ انہیں طویل جنگ کے باوجود اس حد تک کافی سماجی اخلاقیات کا حامل سمجھا گیا جن سے انسانی ذمہ داری پر امن انسانی عمل باہم کی توقع کی جا سکے۔

ایک مسئلہ جس کا مذہبی رواداری کے تصور سے گہرا تعلق ہے وہ یہ کہ بعض فقہاء عام طور پر جزیہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں قرآن کی ایک آیت کو اس کے سیاق و سباق سے الگ کر کے استدلال کی بنیاد بناتے ہیں:

''قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَاحَرَّمَ اللهُ وَرَسُوْلُه وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍوَّهُمْ صٰغِرُوْن''[4]

''جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے (ان سے لڑو) یہاں تک کے وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اس حال میں کہ وہ چھوٹے بن کر رہیں''

چھوٹے بننے سے مراد اسلامی احکام کی پابندی کرنا اور جزیہ دینے کا مقصد بھی تمام فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اسلامی حکومت کو قبول کر لیں اور احکام کی پابندی کریں۔ جنگ کا بنیادی مقصد جزیہ وصول کرنا نہیں بلکہ یہ تو غیر مسلموں کی طرف سے وفاداری، جنگ سے باز رہنے کی اور تبلیغ اسلام میں رکاوٹ نہ بننے کی اور ملک کے مفادات میں شرکت کی علامت ہے اس بات کے بدلے میں کہ ان کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔[5]

فقہاء نے سارازور اس مسئلہ کو حل کرنے میں صرف کیا ہے کہ لفظ صغار کا اطلاق کن صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کا اطلاق کرنا کیا اتنا ہی ضروری ہے اس سلسلہ میں سب سے قرین عقل تعبیر یہ کی گئی ہے کہ ذمیوں کے صغار کا مقصد ان میں سے بعض کے اسلامی قانون کی پابندی کرنے سے اور دوسروں کے جزیہ ادا کرنے سے پورا ہو جاتا ہے۔[6] یہ آیت جس سلسلہ کلام میں ہے اس میں نزول قران کے وقت موجود اہل ایمان کو اس کشمکش کے بارے میں خطاب کیا گیا ہے جو جارحیت پسند مشرکین کے ساتھ ساتھ ان اہل کتاب کے ساتھ بھی جاری تھی جو مشرکین کی ہی خصوصیات اپنائے ہوئے تھے اور وہ اس وقت مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار بھی تھے:

"يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ"[7]

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں لیکن اللہ اپنی روشنی کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے، خوا مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو۔ اے ایمان والو، ان اہل کتاب کے اکثر علماء اور درویشوں کا یہ حال ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں"

یہ سلسلہ خطاب یہاں مکمل ہوتا ہے:

"وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ"[8]

"اور مشرکین سے تم سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ متّقیوں کے ساتھ ہے"

بعض فقہاء نے قرآن کریم کے اس انداز کو جس کا تعلق ایک مخصوص جارح اور جنگجو دشمن سے تھا، وسعت دے کر تمام غیر مسلموں پر منطبق کر دیا اور ایسا کرتے ہوئے عام غیر مسلموں کے (اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں) حقیقی رویّہ نیز اسلام کے حقیقی مفہوم اور انسانیت کی خدمت اور رہنمائی سے متعلق اسلام کے بنیادی مقاصد کو ملحوظ نہیں رکھا۔ اگر بعض فقہاء کے اخذ کردہ اس غیر معمولی نتیجہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہمیں مدینہ اور نجران کے آئینی معاہدوں کی اہمیت کو مکمل بھلانا ہوگا۔ درحقیقت جزیہ کی ادائیگی، حالت صغار سے ایک الگ معاملہ ہے۔ یہ دونوں مکمل طور پر الگ الگ معاملات ہیں اور غیر مسلموں کے ساتھ معاملہ کرنے میں ان کا مقصد بھی الگ تھا۔ المختصر یہ کہ صغار کے مسئلہ کا خود بخود تمام غیر مسلمین پر انطباق شریعت کا مقصد نہیں تھا۔ صغار ایک مخصوص رویہ اور سزا ضرور ہے لیکن یہ ایک مختلف عقیدہ و مذہب اختیار کرنے کی بنیاد پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے خلاف اس عداوت اور غداری کے رویہ کی بنیاد پر ہے جو

عدل وانصاف نیز سلامتی وآزادی عقیدہ کے انسانی حق کے تحفظ سے متعلق اسلامی فریضہ کی مخالفت میں اختیار کیا جائے۔[9] سورۃ التوبہ آیت 36 میں مشرکین کا جو ذکر ہوا ہے امام ابو حنیفہ اس کا مفہوم، قرآن وسنت میں اس کے ظاہری موقع استعمال کی رو سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد صرف عرب مشرکین ہیں۔ جبکہ ایک روایت کے مطابق امام مالک کے نزدیک اصطلاح "مشرکین" صرف ایک عرب قبیلہ یعنی صرف قریش کے لیے مخصوص ہے۔ امام اوزاعی، امام ثوری اور ایک دوسری روایت کے مطابق امام مالک نے بھی قرآن و سنت میں استعمال کی گئی اصطلاح کو ایک خاص تاریخی سیاق میں دیکھا ہے اور یہ رائے اختیار کی ہے کہ اس کا اطلاق اب بت پرستوں پر مزید نہیں ہوگا۔[10] اس بیان سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ فقہاء نے کس درجہ کی رواداری کی گنجائش رکھی ہے۔

بیشتر فقہاء نے اپنے عقائد پر بدستور قائم رہنے والے بت پرستوں کے لیے روادارانہ رویہ اپنایا ہے اور جزیہ کی ادائیگی کے بعد انہیں پر امن طور پر نہ صرف انہیں اپنے طریق زندگی پر قائم رہنے کی اجازت دی گئی بلکہ اسلامی ریاست کے ذریعے تحفّظ کا حقدار بھی قرار دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ عرب بت پرستوں کے سوا تمام مشرکین سے جزیہ قبول کیا جانا چاہیے۔ جبکہ امام مالک کی طرف منسوب دو روایات میں سے ایک رائے کے مطابق وہ صرف قریش کے سوا دیگر تمام مشرکین سے جزیہ قابل قبول قرار دیتے ہیں۔ اسلام نے جارحیت شروع کرنے کی اجازت نہیں دی، جنگ کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا :

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُ وا وانَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ[11]

یعنی ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے کرتے ہیں اس کے معنی دفاعی جنگ کے ہوں گے۔ قاتلوا فی سبیل اللہ کے معنی ہیں کہ اللہ کے لیے جنگ کرو، اپنی بڑائی، برتری یا کسی اور دنیاوی فائدہ کے لیے نہیں اسے جہاد کا نام دیا گیا ہے۔ جنگ شروع ہو جانے کے باوجود تعدی نہ کرو بلکہ ایسا برتاؤ ہو جو انسانیت کے لحاظ سے قابل قبول ہو۔ جب جارحانہ جنگ کی اجازت نہیں، صرف دفاعی جنگ کی اجازت ہے تو پھر پرامن بقائے باہمی (Peaceful Co-existence) کے سلسلہ میں کوئی دشواری پیدا نہیں ہوتی۔[12]

امن کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہ کے علاوہ امام سرخسی نے امام ثوری کا بھی یہ مؤقف بیان کیا ہے، جو بہت سے دیگر آئمہ فقہ مثلاً ابن عمر، عطاء، عمرو بن دینار اور ابن شبرمہ کا مؤقف بھی رہا ہے کہ مشرکین کے ساتھ جنگ کرنا فرض نہیں ہے جب تک کہ اس کی پہل خود اس کی طرف سے نہ ہو۔ پھر (جب ان کی طرف سے پہل ہو جائے تو) ان سے جنگ کرنا لازم ہے، اللہ تعالیٰ کے اس واضح ارشاد کی تعمیل میں کہ فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ[13] "اگر وہ تم سے جنگ کریں تو انہیں قتل کرو" نیز یہ ارشاد ہوا:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ[14]

"تم مشرکین سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں۔"

جب اسلامی ریاست مدینہ میں وجود میں آئی اس وقت اسلام کے تمام مخالفین مشرکین یہود و نصاریٰ اپنے اختلافات بھلا کر مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے اور ان کے خلاف سازشیں کرنے لگ گئے۔ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کا جو طریقہ بھی وہ اختیار کر سکتے تھے انہوں نے کیا۔ دوسری طرف منافقین کا گروہ تھا جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے لیکن اندر سے مخالفین کے ساتھ تھے۔ ان حالات

میں مسلمانوں کو اسلام پر جمے رہنے کی تلقین کی گئی اور یہ بات واضح کر دی کہ جو لوگ اسلام کے دشمن ہیں ان سے دور رہنا چاہیے نیز منافقین کی درپردہ سازشوں سے ہوشیار رہنے کو کہا گیا۔ اسلام کے دشمنوں سے تعلقات رکھنا سیاسی نقطہ نظر سے بھی خطرناک تھا اس سے اسلامی ریاست کو خطرات لاحق ہو سکتے تھے لہٰذا اس کا تحفظ ضروری تھا۔ دنیا کی کوئی بھی ریاست و حکومت دشمن سے تعلقات قائم کرنے، ان سے خفیہ معاملات کرنے اور اس کی سازشوں میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ مسلمانوں کو اپنے مخالفین سے تعلق نہ رکھنے کا حکم قرآن مجید کی جن آیات میں دیا گیا ہے ان آیات کے پس منظر سے واقفیت کے بعد تمام صورت حال واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے کیوں ان سے دور رہنے کا حکم دیا تھا، سورۃ آل عمران میں فرمایا:

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ"[15]

"اے ایمان والو اپنے لوگوں کے علاوہ دوسروں کو راز دار مت بناؤ وہ تمہارے بگاڑ میں کوتاہی نہیں کریں گے وہ اس چیز سے خوش ہوتے ہیں جس سے تمہیں تکلیف پہنچے ان کی منہ سے بغض و عداوت ظاہر ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے ہم نے تم پر اپنی آیات کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم عقل سے کام لو۔ دیکھو تم تو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم تمام آسمانی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہو جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے اور جب تنہائی میں ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصہ سے انگلیاں چبانے لگتے ہیں ان سے کہو کہ اپنے غصہ سے مرو۔ بے شک اللہ سینوں کی بات جاننے والا ہے اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں تکلیف ہوتی ہے اور اگر تمہیں تکلیف پہنچے تو وہ خوش ہوتے ہیں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی کوئی چال تمہیں کچھ نقصان نہیں دے گی بلا شبہ ان کے کاموں کو احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔

ابن جریر طبری بطانۃ لفظ کی تشریح یوں کرتے ہیں:

"انما جعل البطانة مثلا لخليل الرجل فشبهه بما ولى بطنه من ثيابه لحلوله منه فى اطلاعه على اسراره و ما يطويه عن اباعده و كثير من اقاربه محل ما ولى جسده من ثيابه"[16]

"آدمی کے خاص دوست کو بطور مثال بطانہ قرار دیا گیا ہے اس میں اسے ان کپڑوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو آدمی کے جسم سے لگے رہتے ہیں اس لیے کہ اس طرح کا دوست آدمی کے اسرار و رموز سے اور ان چیزوں سے جنہیں وہ غیروں سے اور بہت سے اپنے عزیزوں سے بھی پوشیدہ رکھتا ہے، واقف ہوتا ہے اسے وہ مقام حاصل ہوتا ہے جو مقام آدمی کے ان کپڑوں کا ہوتا ہے جو اس کے جسم سے لگے ہوتے ہیں"

درج بالاآیات میں ان غیر مسلموں کا ذکر ہے جو منافقین کے ساتھ ملے ہوئے تھے بالخصوص یہودی قبائل مدینہ کے اطراف میں موجود تھے۔ مسلمانوں کے ان کے ساتھ پرانے تعلقات چلے آرہے تھے، آپس میں لین دین اور معاہدے تھے۔ اس لیے بہت سے مسلمان ان کی سازشوں کو محسوس نہیں کر پا رہے تھے۔ منافقین خود مسلمانوں میں گھلے ملے ہوئے تھے یہی منافقین مسلمانوں کے اندر بیٹھ کر یہود کا کردار ادا کر رہے تھے۔ قرآن کریم نے ان دونوں گروہوں کے عزائم سے مسلمانوں کو خبر دار کر دیا اور بتایا کہ ان کی عداوت چھپی ہوئی نہیں بلکہ ان کے قول و فعل سے ظاہر ہے۔ تمہاری کامیابی سے وہ ناخوش ہوتے ہیں اور ناکامی پر خوش ہوتے ہیں اس لیے انہیں اپنا خیر خواہ سمجھنا اور اپنا رازدار بنانا ٹھیک نہیں ہے۔ ان آیات میں پہلی آیت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "یہ آیت اہل ایمان میں سے بعض ان لوگوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی جو منافقین سے خلوص اور محبت اور یہود کے بعض افراد سے قریبی تعلقات اس وجہ سے رکھتے تھے کہ ان کے درمیان قرابت اور دوستی تھی، ہمسائیگی تھی، رضاعت اور حلیف ہونے کے روابط تھے ان سے باطنی روابط رکھنے سے یہاں منع کیا گیا ہے۔"[17]

یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے مل کر ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ مسلمانوں کو ان سے قریبی تعلقات قائم کرنے سے منع کرنا پڑا چنانچہ حکم ہوا:

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ "[18]

"اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو ولی نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں تم میں سے جو کوئی ان کو ولی بنائے تو وہ انہی میں سے ہے بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"

آگے چل کر ارشاد فرمایا:

"اے ایمان والو تم سے پہلے جن کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور کافروں کو اپنا ولی نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم صاحب ایمان ہو جب تم نماز کے لیے بلاتے ہو (یعنی اذان) تو وہ اس کا مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں اس لیے کہ وہ عقل نہیں رکھتے"[19]

یعنی یہود و نصاریٰ کو ولی نہ بنانے کی وجہ دوسری آیات نے واضح کر دی ہے کہ وہ دین اسلام کو مذاق اور کھیل بنانے والے ہیں گویا عناد پر اترے ہوئے ہیں اور غیر سنجیدہ طرز عمل اختیار کیے ہوئے ہیں۔ آیات (المائدہ: 51،57، النساء: 88،89،138) میں دشمنوں کو اولیاء بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ اولیاء ولی کی جمع ہے جس کے معنی بہت زیادہ قربت، مدد، حمایت اور حکمرانی و سرپرستی کا تصوّر پایا جاتا ہے۔[20] اسی مادہ سے مولیٰ کا لفظ نکلا ہے جو کئی معنوں میں مستعمل ہے۔ رب، سردار، مالک، مدد کرنے والا، محسن، محبت کرنے والا، تابعداری کرنے والا، حلیف، جس سے عہد و پیمان ہو، پڑوسی، قرابتدار اور وہ غلام جس پر احسان کیا جائے۔ حدیث میں ان میں سے بیشتر استعمالات موجود ہیں سیاق و سباق سے ان کا مفہوم متعین ہوتا ہے۔ ان الفاظ کے معانی سے یہ مفہوم سامنے آتا ہے کہ اسلام نے دشمنان دین سے دلی تعلق رکھنے اور انہیں اپنا ہمدرد، سرپرست اور مددگار بنانے سے منع کیا ہے۔ وہ بھی دوسرے مذاہب کی طرح یہ نہیں چاہتا

کہ اس کے پیروکار مخالفین سے جڑے رہیں اور جو لوگ اسے ختم کرنے کے درپے ہوں انہیں اپنا خیر خواہ اور مخلص تصور کریں، انہیں اپنا ہمدرد سمجھ کر خفیہ ملکی راز افشا کر دیں۔ اسلام کی اس تعلیم پر کوئی اعتراض اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ اس طرح کے تعلقات کا کسی بھی مذہب اور قوم میں کوئی اخلاقی اور قانونی جواز نہیں ہے۔ لیکن ان سب امور سے ہٹ کر جہاں عام انسانی ہمدردی، حسن سلوک اور مصیبت کے وقت کسی کے کام آنے کا تعلق ہے اس سے ان آیات میں منع نہیں کیا گیا۔

صلح حدیبیہ (6ھ) کے بعد جب قریش نے معاہدہ توڑ کر بنو بکر کے ساتھ بنو خزاعہ پر حملہ کرنے میں ساتھ دیا جو کہ بین الاقوامی ضابطے کی خلاف ورزی تھی تو حضور ﷺ نے قریش مکہ کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اسی دوران حضرت حاطب بن ابی بلتعہ (بدری صحابی) نے ایک خط کے ذریعے قریش مکہ کو اس کی اطلاع دینا چاہی لیکن حضور کو وحی کے ذریعے سے اس خط کی خبر ہو گئی جس پر حضور نے وہ خط برآمد کروالیا۔ حضرت حاطب نے اس کی توجیہہ یہ بیان کی کہ چونکہ مکہ میں میرے عزیز و اقارب ہیں اس لیے میں نے سوچا کہ اگر میں قریش کو اس کی پہلے اطلاع دے دوں تو وہ احسان مندی کے طور پر میرے رشتہ داروں کا لحاظ رکھتے ہوئے جنگ میں انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ بس اس کے سوا میرا کوئی اور مقصد نہیں تھا، میں ابھی بھی ایک سچا مسلمان ہوں۔ حضور ﷺ نے ان کی یہ توجیہ قبول کر لی جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔[21]

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ إِنْ يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ"[22]

"اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو اولیاء نہ بناؤ تم ان سے دوستی کا تعلق قائم کرتے ہو جب کہ وہ اس حق کا انکار کر چکے ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے وہ اللہ کے رسول اور تمہیں اس بات پر نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان رکھتے ہو (گویا اس طرح کا تعلق قائم کرنا درست نہیں) اگر تم میرے راستہ میں جہاد اور میری رضا کی طلب میں نکلے ہو تم ان کے پاس دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو تم میں سے جو یہ کرے پس وہ برے راستہ پر گمراہ ہوا ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تمہیں پالیں تو تمہارے دشمن بن جائیں اور تمہارے خلاف اپنے ہاتھ اور زبان چلانے لگیں وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کی راہ اختیار کرو قیامت کے دن تمہارے رشتہ دار اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آسکے گی اللہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے"

درج بالا آیات میں ذاتی رشتوں ناطوں کی محبت کے سبب دشمن کی عداوتوں اور کارستانیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ان سے دوستانہ اظہار کو ترجیح دینے پر تنبیہ کی ہے۔ یہاں ایمان کے تقاضے واضح کیے ہیں کہ جب اللہ کی رضا کے لیے گھر چھوڑ کر ہجرت کی تو ان لوگوں کو اب آپ اپنا ولی کیسے بنا رہے ہو جنہوں نے آپ کو اور دیگر مسلمانوں کو وہاں (مکہ) رہنے نہیں دیا اور اب بھی وہ آپ (مسلمانوں

) کو ہر وقت نقصان پہنچانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔اس لیے ایسے دشمنوں سے خفیہ تعلقات قائم نہ کرو کیونکہ اللہ کو ہر کام کی خبر ہے۔اسی ضمن میں اولیاء بنانے کے علاوہ 'مودّت' سے بھی منع کیا گیا ہے۔علامہ خازن درج بالاآیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

''فان قلت قد اجتمعت الامة علی انه تجوز مخالطهم و معاملتهم و معاشرتهم فما هٰذه المودة المحظورة قلت المودة المحظورة هی مناصحتهم وارادة الخیر لهم دینا و دنیا مع کفرهم فاما ما سویٰ ذٰلک فلا حظر فیه''[23]

''اگر آپ یہ سوال کریں کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ کفار کے ساتھ میل جول رکھنا، معاملات کرنا اور معاشرتی تعلقات قائم رکھنا جائز ہے تو یہ وہ کون سی مودت ہے جس سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے کفر کے باوجود ان کے ساتھ دین و دنیا کے پہلو سے قلبی اخلاص اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کیا جائے اس کے علاوہ دوسرے تمام معاملات ممنوع نہیں ہیں ''

اس کا مطلب ہے کہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے کہ غیر مسلموں سے تعلقات برقرار رکھے جائیں یا نہیں بلکہ ان سے ہر طرح کے تعلقات رکھے جا سکتے ہیں لیکن ایک مسلمان ان کے ساتھ کوئی ایسا رویہ اختیار نہیں کر سکتا کہ جس سے ان کے کفر و شرک کی تائید ہو اس لیے کہ ان کے ساتھ اخلاص و خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں راہ حق دکھائی جائے۔

سورہ التوبہ میں جہاد کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی عہد شکنی کا ذکر تفصیلاً کیا ہے جہاد کے جواز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

''كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَى قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ''[24]

''ان لوگوں کے ساتھ عہد و پیمان کیسے باقی رہ سکتا ہے جو اگر تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے سلسلہ میں نہ کسی قرابت کا خیال رکھیں اور نہ عہد و پیمان کا وہ تو اپنی زبان سے تمہیں خوش کر رہے ہیں جب کہ ان کے دل اس کے خلاف ہیں ان میں سے بیشتر بد کردار ہیں انہوں نے خدا کی آیات کے بدلہ میں دنیا کی تھوڑی مقدار میں پونجی خریدی ہے وہ خدا کے راستہ سے لوگوں کو روک رہے ہیں حالانکہ بہت برا ہے جو وہ کر رہے ہیں وہ کسی مومن کے سلسلہ میں نہ رشتہ کا خیال کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا، وہی زیادتی کرنے والے ہیں اگر وہ (اپنی ان حرکتوں کو ترک کر دیں) ایمان لے آئیں، نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے ہم جاننے والوں کے لیے کھول کر آیات بیان کرتے ہیں لیکن اگر وہ عہد و پیمان کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو ان کافروں کی قیادت سے جنگ کرو ان کے عہد و پیمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی حرکات سے باز آجائیں۔کیا تم ان لوگوں سے

جنگ نہیں کروگے جنھوں نے عہد شکنی کی اور رسول ﷺ کے اخراج کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے ہی (عہد شکنی کرکے) جنگ میں پہل کی ہے کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو"

درج بالا آیات فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں اس لیے اس پس منظر کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا۔ جب مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین نے مل کر ایسے حالات پیدا کردیئے کہ مسلمانوں سے کیے گئے عہد و پیمان توڑ دیئے ان کے خلاف سازشیں کیں اور امن کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو ایسی صورت میں درج ذیل آیات نازل ہوئیں جن میں قریبی رشتہ دار بھی اگر دشمنوں کے ساتھ ہیں تو ان سے ہر تعلق توڑ لیا جائے کیونکہ ان حالات میں کسی آدمی کا ملت اور ملک کی دشمن طاقتوں سے ہمدردی کا رشتہ قائم رکھنا اور خفیہ تعلقات رکھنا غداری سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کی کوئی قوم اور ریاست اس بات کی اجازت نہیں دیتی تو پھر اسلام اپنے اجتماعی مفادات کو چھوڑ کر اپنے پیروکاروں کو دشمن سے تعلقات قائم رکھنے کی کیسے اجازت دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس وقت اسلام کو بیرونی اور اندرونی دونوں دشمنوں کی طرف سے خطرہ تھا لہٰذا دونوں دشمنوں یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ نام نہاد مسلمانوں تک سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کی۔ ارشاد ہوا:

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ "[25]

"اے ایمان والو اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو بھی اولیاء اور دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کرتے ہوں تم میں سے جو ان کو ولی بنائیں گے وہی ظالم ہیں کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور اور تمہارے خاندان اور تمہارے مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے ماند پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ سب تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کے راستہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ نافذ کردے اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا"

درج بالا آیات مخصوص صورت حال کے لیے ہیں تو جہاں حالات اس سے مختلف ہوں وہاں قرآن مجید میں مشرکین اور غیر مسلموں سے بہتر تعلقات اور حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ جہاں سورۃ الممتحنہ کی ابتدا میں مسلمانوں کو اسلام کے دشمنوں کو اپنا ولی نہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے وہیں فوراً اسی سورۃ میں وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کے نقصان کے درپے نہیں ہیں اور غیر جانب دار رہتے ہیں ان سے اچھے تعلقات کا حکم دیا ہے۔ یوں گویا اسلام کا نقطہء نظر پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ"[26]

"اللہ تمہیں منع نہیں کرتا ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور عدل وانصاف اور احسان کا رویہ اختیار کرنے سے جنہوں نے تم سے دین کی وجہ سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تو ان لوگوں کے ساتھ مودت کے تعلقات سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کی وجہ سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہیں گھروں سے نکالنے میں مدد کی کہ تم ان کو اپنا ولی اور دوست نہ بناؤ جو انہیں اپنا دوست بنائیں گے وہی ظالم ہیں"

ان آیات سے اس بات کی مزید وضاحت ہوتی ہے کہ کہ اسلام صرف ایسے لوگوں سے عدم تعلّق کا حکم دیتا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کریں اور انہیں مٹانے کی کوشش کرتے رہیں۔ جو غیر مسلم اس رویے کے برعکس مسلمانوں سے مصالحت اور ہمدردی کا رویہ اختیار کریں اسلام ان سے حسن سلوک اور فراہمی انصاف کا حکم دیتا ہے۔ للذا قرآن پاک میں مخالفین اور دشمنوں کے ساتھ جس رویہ کی ہدایت دی گئی ہے اسے سب غیر مسلموں کے بارے میں ایک عام رویہ قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ قران پاک میں ہی غیر جانب دار غیر مسلموں سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

عام نوع انسانی کے ساتھ ساتھ تعلقات کے معاملہ میں اسلام کے اصولی انداز فکر کا قران اور سنت کے اندر محبت (تودوهم)، حسن سلوک (تحسن)، حلم وشرافت {بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَن}[27] اور محافظت (ذمّۃ) کے الفاظ میں اصولی اظہار ہوا ہے لیکن اس رویہ کو مقابلہ اور کشمکش کی حالتوں سے اور خصوصاً دور اول میں عرب کے اندر مسلمانوں کو پیش آنے والی تاریخی آویزشوں کے ساتھ خلط ملط کرنا صحیح نہیں ہے۔ خود حضور ﷺ کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے دوستانہ رویہ رکھنے والے نجران کے عیسائی قبائل کے ساتھ جزیہ کا معاہدہ اور مدینہ کے یہودی قبائل کے ساتھ امن وتعاون کا معاہدہ (میثاق مدینہ) طے کیا اور دوسری طرف آپ ہی نے انہی یہودیوں کے بعض قبائل کے خلاف جنگ لڑی جو مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ معرکے حالات کے جبر اور تدبیری ضروریات کے تحت ہوئے تھے اور ان سے اسلام کے بنیادی فکر کی بنیادوں پر کوئی ضرب نہیں پڑتی۔ قرآنی بیانات اور سنت وسیرت نبوی کے تفصیلی تذکرے اسلام کے حقیقت پسندانہ عقلی نقطہ نظر کو منکشف کرتے ہیں یہ تفصیلات تاریخی ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہیں جن سے حقیقت پسندانہ اور عملی افادیت پر مبنی ان پالیسیوں کی وضاحت ہوتی ہے، جو حضور ﷺ نے ایک خاص سیاسی فضا اور ماحول میں اسلامی مشن کی حفاظت اور کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے اختیار کی تھیں۔

جہاں تک عرب بت پرست قبائل کے خلاف ان کے اسلام میں داخلہ تک مسلسل اور بھرپور جنگ کا تعلق ہے اسے نظریاتی جور وجبر سمجھنا غلط ہے۔ یہ فیصلہ مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام اور تقریباً بائیس سال کے عرصہ تک مشرکین کی طرف سے ظلم، ایذا اور جنگ کا سامنا کرنے کے بعد کیا گیا تھا۔ وہ دلیل جو روایت پسندوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہے کسی طرح قابل قبول نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے ان قبائل کو اسلام قبول کرنے پر مجبور اس بنیاد پر کیا کہ جس وقت مشرکین اعراب کو بزور اسلام میں داخل کرنے کا حکم آپ نے دیا اس وقت تک اہل کتاب کے جزیہ سے متعلق آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔[28] (آیت جزیہ کے نزول سے قبل بھی) آپ ﷺ نے مدینہ کے یہودی قبائل اور نجران کے عرب عیسائیوں کو جبراً اسلام میں داخل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ درحقیقت جزیرہ نما عرب کو انارکی وانتشار سے بچانے کے لیے تقریباً بیس سالہ تجربات کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ دشمن قوت کا کوئی مرکز اور گروہت یہاں قائم

نہیں رہنی چاہیے۔ اس دور میں گروہت کی تشکیل میں مذہبی جذبات کو بنیادی اہمیت حاصل تھی اس لیے مذہبی گروہوں کے عنوانات استعمال کیے گئے جس کا مقصد ان کے مذہبی اعتقادات کی بنا پر راست اقدام نہیں بلکہ ان کے سماجی طرز عمل کی بنا پر ایسا کرنا ناگزیر تھا۔ جزیرہ نما عرب کے غیر مہذب بدو قبائل کو اسلام کے نظام کے تحت لانے کا مقصد ایک پر امن معاشرتی نظام اور بین القبائلی عمل باہم کا طریقہ کار مہیا کرنا تھا۔[29] یہ حکمت عملی عربوں کے لیے بالخصوص اپنے انسانی حقوق کے دفاع کے لیے بہترین افادیت کی حامل ثابت ہوئی منگولوں اور جرمنوں جیسے دیگر قبائل کے ثقافتی ورثہ کے برعکس غیر متمدن عرب قبائل اسلام کی تعلیم و تربیت کے طفیل ایک ثقافت کے علمبردار اور ایک تہذیب کے معمار بن گئے۔ ان عربوں نے دیگر مسلمانوں کے شانہ بشانہ اس دور تک کی انسانی تاریخ کی عظیم ترین سلطنت قائم کی اور انسانی تہذیب و تمدن کی تعمیر و ترقی میں عظیم کردار ادا کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ"[30]

"یہ کفار کسی مومن کے معاملہ میں نہ کسی قرابت کا خیال کرتے ہیں اور نہ کسی عہد کی ذمہ داری کا اور یہی زیادتی کرنے والے ہیں پس اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں ہم اپنے احکام کو تفصیل سے بیان کر دیتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں"

درج بالا موضوع پر بحث کرتے ہوئے یہ حقائق پیش نظر رہنے چاہییں کہ یہ آیات جب نازل ہوئیں اس وقت اسلام بڑے نازک موڑ پر تھا اور اس وقت کے کفار، یہودی و عیسائی مسلمانوں کو ورغلانے اور دین حق سے پھیرنے کی خاطر کئی مکار طریقے استعمال کر رہے تھے۔ ایسے میں پیغمبر اسلام کے لیے یہ لازمی تھا کہ آپ اپنے پیروکاروں کو مخالفین کی چالاکیوں سے آگاہ کر دیں۔ تقابلی تاریخ کا کوئی بھی طالب علم آپ ﷺ کو اپنی چھوٹی سی ریاست کے تحفظ کے لیے مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتا لیکن جب ہم آپ کے اس سلوک کو دیکھتے ہیں جو آپ نے اپنی غیر مسلم رعایا سے بحثیت عمومی روا رکھا تو ہمیں اس میں وسیع المشرب رواداری اور ہمدردی کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ اسلام کے سیاسی فلسفے کا جوہر اس منشور حقوق میں پایا جاتا ہے جو آپ ﷺ نے اپنے مدینہ آنے کے بعد یہودیوں کو عطا کیا اور وہ پیغامات جو نجران اور اس کے مضافات کے عیسائیوں کے نام اس وقت بھیجے گئے جب اسلام جزیرہ نمائے عرب پر اپنا نظام قائم کر چکا تھا یہ دستاویز تمام مسلم حکمرانوں کے لیے غیر مسلم عوام کے ساتھ سلوک کے بارے میں ایک ہدایت نامہ رہی ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں سے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا گیا اور نہ ہی کبھی انہیں تبدیلی مذہب پر مجبور کیا گیا ہے اگر ان سے جزیہ لیا جاتا ہے تو وہ فوجی خدمت سے مبرّا ہونے کے معاوضہ کے طور پر لیا جاتا ہے اور یہ واجب ہے کہ جو لوگ ملکی امان سے فائدہ اٹھائیں اور ملک کا مالی بار اٹھانے میں بھی تعاون کریں۔ بت پرستوں کے بارے میں نظریاتی طور پر ذرا زیادہ سختی مطلوب تھی لیکن عملی طور پر قانون ان کے ساتھ ویسا ہی حسن سلوک کرتا ہے جیسا کہ اہل کتاب کے ساتھ۔ اگر کبھی ان کے ساتھ سختی کا سلوک کیا بھی گیا تو اس کا اکثر سبب حکمران کے ذاتی جذبات تھے۔

حیرہ کی فتح (13ھ) کے بعد جب وہاں کے لوگ بیعت کا حلف اٹھا چکے تو حضرت خالد بن ولید نے ایک اعلامیہ شائع کیا جس کی رو سے انہوں نے مسلمانوں کو عیسائیوں کی جان و مال اور آزادی کا کفیل ٹھہرایا۔ اور یہ حکم دیا کہ انہیں ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا اور اس امر کی اجازت دی جائے گی کہ وہ مذہبی تقاریب پر صلیبیں اٹھا کر جلوس نکالیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس اعلامیہ کو خلیفہ حضرت ابو بکر اور ان کی مجلس شوریٰ کی منظوری دی گئی۔[31] غیر مسلموں کو نئے گرجا اور معبد بنانے سے نہ روکا گیا۔ صرف ایسے علاقوں میں جہاں صرف مسلمان آباد تھے ذرا سی نظریاتی پابندی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مطابق کسی ایسے شہر میں جہاں صرف مسلمان آباد ہوں، کوئی نیا گرجا یا معبد نہیں بنایا جا سکتا لیکن ایسے علاقوں میں جہاں ذمی پہلے سے آباد ہیں ہمیں اپنا عہد پورا کرنا چاہیے۔[32] لیکن عملاً یہ ممانعت مطلق نظر انداز کر دی گئی خلیفہ المامون کے دور حکومت میں عیسائیوں کے گیارہ سو کلیساؤں کے علاوہ یہودیوں کے صوامع اور زرتشتیوں کے بے شمار آتش کدے تھے۔ خلیفہ المامون نے اپنی مجلس شوریٰ میں اپنی تمام محکوم جماعتوں کے نمائندے شامل کیے تھے اور اس نے عیسائیوں کے کلیسا کے منصب داروں کے تمام حقوق و مراعات کا تحفظ کیا۔ فتح مصر کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے عیسائی کلیسا کے اوقاف کی حفاظت ایک امانت کے طور پر کی اور سابقہ حکومتوں کی طرف سے پادریوں کے لیے جو وظیفے مقرر تھے وہ جاری رکھے۔[33]

ابتدائی مسلم حکومتوں نے جس رواداری کا ثبوت دیا اس کی بہترین گواہی خود عیسائیوں نے دی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں میری کے عیسائی بطریق نے فارس کے اسقف شمعون نامی کے نام ایک خط میں ذیل کی عبارت لکھی کہ عرب جنہیں خدا نے دنیا کی حکومت عطا کی ہے دین عیسوی پر حملہ نہیں کرتے۔ اس کے برعکس وہ ہمارے معاون ہوتے ہیں، وہ ہمارے خدا اور اولیاء کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور راہب خانوں کو مالی عطیے دیتے ہیں۔ مبادا زور زبردستی کا شائبہ تک بھی دکھائی دے کسی مسلمان کو اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی ذمی کی زمین کی قیمت ادا کرکے بھی حاصل کر سکے۔ سلطان کو اختیار نہ تھا کہ کسی ذمی کی املاک پر قابض ہوں۔[34] قانون کی نگاہ میں مسلمان اور ذمی برابر کا درجہ رکھتے تھے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے:

"من كان له ذمتنا فدمه كدمنا، ديته كديتنا"[35]

"جو ہماری غیر مسلم رعایا میں سے ہیں اس کا خون اور ہمارا خون برابر ہے اور اس کی دیت ہماری دیت ہی کی طرح ہے"

مسلمانوں کا نظم و نسق بہت سی جدید حکومتوں کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ تھا۔ جرائم کی سزا کے معاملہ میں حاکم و محکوم کے درمیان کوئی تمیز نہ کی جاتی تھی۔ اسلام کا قانون یہ ہے کہ اگر ایک ذمی ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا جائے تو مسلمان کو وہی سزا ملے گی جو ایک ذمی کو مسلمان مارنے پر دی جاتی۔ خلفائے بغداد کو، اپنے حریف خلفائے قرطبہ کی طرح غیر مسلموں کا اتنا خیال تھا کہ انہوں نے ذمیوں کی سلامتی اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے ایک خاص شعبہ قائم کیا اس شعبہ کے سربراہ کا لقب بغداد میں کاتب الجہبذہ اور ہسپانیہ میں کاتب الزمام تھا۔

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اسلامی حکومت کی پالیسی کا گویا ایک جزو یہ ہے کہ وہ اپنے معاملات میں ایسے طریقے اختیار کرے جن سے غیر مسلموں کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ گو اسلام نے فاتحین اور مفتوحین کے مابین فرق رکھا ہے لیکن یہ فرق غیر مسلموں کی

توہین کی غرض سے نہیں ہے بلکہ یہ فرق بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ہر اصولی جماعت اپنے اغراض و مقاصد قبول کرنے والے ارکان اور ان افراد کے مابین کرتی ہے جو ان اغراض و مقاصد کے مخالف یا کم از کم ہمنوا نہیں ہوتے۔ جو معاشرہ بھی کسی اصول اور عقیدہ پر قائم ہو گا اسے اپنے ارکان کو اس سے بچانا ہو گا کہ وہ اس عقیدہ اور اصول کے منکرین کے ساتھ گھل مل کر اس طرح اکٹھے ہو جائیں کہ ان میں کوئی فرق نظر ہی نہ آئے۔ جن معاملات کی بنیاد پر لوگوں میں یہ غلط فہمی پھیلی ہے ان میں سے ہر معاملہ کے صحیح پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور غلط پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک اعتراض کا پہلو یہ نکالا گیا ہے کہ ذمیوں پر یہ بار ڈالا گیا تھا کہ ان کے شہروں میں جو مسلمان آئیں گے ان کی میزبانی ان پر لازم ہو گی۔[36] اس میزبانی کا سبب یہ تھا کہ اس زمانہ کے حالات کے تحت اس کے سوا کوئی دوسری صورت ممکن ہی نہ تھی لیکن موجودہ زمانہ میں اب چونکہ ہر علاقہ میں ہوٹل و گیسٹ ہاؤس وغیرہ موجود ہوتے ہیں للذا اب کسی پر ایسا بوجھ ڈالنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات مسلم و غیر مسلم تعلقات کے حوالہ سے ایک بنیادی رہنمائی فراہم کرتی ہیں جس کی روشنی میں ہر دور کے معروضی حالات کے مطابق مسلم و غیر مسلم تعلقات کی تفصیلات طے کی جا سکتی ہیں۔ وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کے نقصان کے درپے نہیں اور غیر جانبدار رہتے ہیں اسلام نے ان سے اچھے تعلقات کا حکم دیا ہے۔ غیر مسلموں سے عدم تعلّق کے احکامات کے لیے متعلقہ آیات کا پس منظر ملحوظ رکھا جائے گا۔

نتائج تحقیق:

زیر نظر مقالہ سے جو نتائج اخذ کیے گئے وہ درج ذیل ہیں:

1۔ جن آیات میں غیر مسلموں سے تعلقات نہ رکھنے کا حکم دیا ہے ان آیات کے موقع محل اور پس منظر پر نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے نہ سمجھنے سے غلط فہمی ہو سکتی ہے اس لیے ان حالات کو سامنے رکھنا ہو گا جن میں وہ نازل ہوئیں۔ جہاں عام انسانی ہمدردی، حسن سلوک اور مصیبت کے وقت کسی کے کام آنے کا تعلق ہے اس سے قرآنی آیات میں منع نہیں کیا گیا۔

2۔ صغار ایک مخصوص رویہ اور سزا ضرور ہے لیکن یہ ایک مختلف عقیدہ و مذہب اختیار کرنے کی بنیاد پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے خلاف اس عداوت اور غداری کے رویہ کی بنیاد پر ہے جو عدل و انصاف نیز سلامتی و آزادی عقیدہ کے انسانی حق کے تحفظ سے متعلق اسلامی فریضہ کی مخالفت میں اختیار کیا جائے۔ اسلام صرف ایسے لوگوں سے عدم تعلّق کا حکم دیتا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کریں اور انہیں مٹانے کی کوشش کرتے رہیں۔ جو غیر مسلم اس رویے کے برعکس مسلمانوں سے مصالحت اور ہمدردی کا رویہ اختیار کریں اسلام ان سے حسن سلوک اور فراہمی انصاف کا حکم دیتا ہے۔

3۔ اسلام نے جارحیت شروع کرنے کی اجازت نہیں دی، جنگ کی اجازت دی ہے۔ جنگ شروع ہو جانے کے باوجود تعدی نہ کرنے بلکہ ایسا برتاؤ کرنے کی جو انسانیت کے لحاظ سے قابل قبول ہو تعلیمات دی گئی ہیں۔ جب جارحانہ جنگ کی اجازت نہیں، صرف دفاعی جنگ کی اجازت ہے تو پھر پر امن بقائے باہمی کے سلسلہ میں کوئی دشواری پیدا نہیں ہوتی۔

7۔ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے کہ غیر مسلموں سے تعلقات برقرار رکھے جائیں یا نہیں بلکہ ان سے ہر طرح کے تعلقات رکھے جا سکتے ہیں لیکن ایک مسلمان ان کے ساتھ کوئی ایسا رویہ اختیار نہیں کر سکتا کہ جس سے ان کے کفر و شرک کی تائید ہو اس لیے کہ ان کے ساتھ اخلاص و خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں راہ حق دکھائی جائے۔

8۔ قرآن کریم میں مخالفین اور دشمنوں کے ساتھ جس رویہ کی ہدایت دی گئی ہے اسے سب غیر مسلموں کے بارے میں ایک عام رویہ قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں غیر جانب دار غیر مسلموں سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

@ 2021 by the author, this article is an open-access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution CC-BY http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/

---

1 البقرہ:۲۵۶.

Al-Bāqrāh: 256.

2 عبداللہ بن احمد ابن قدامہ، **المغنی فی الفقہ** (القاھرہ، ۱۹۹۲ء)، ۹: ۱۹۴۔

Ābdullāh bin Ahmād Ibn Qudāmāh, *Al' Mūghanī fi Al Fīqh* (Cairo, 1992), 9:194.

3 عبدالحمید ابو سلیمان، **اسلام اور بین الاقوامی تعلقات، منظر اور پس منظر** (لاہور: فیمس بکس اردو بازار، ۱۹۹۱ء)، ۱۱۰۔

Abdūl Hāmeed Abū Sūlemān, *Islam āur Baīn Alāqwāmī Tālūqāt, Mānzār āūr Pās Mānzār* (Lahore: Famous Books Urdu Bazar, 1991), 110.

4 التوبہ: 29.

Al' Taūbāh: 29.

5 وہبہ زحیلی، **اسلام اور بین الاقوامی تعلقات**، مترجم: مولانا حکیم اللہ (اسلام آباد: شریعۃ اکیڈمی، ۲۰۱۰ء)، ۲۰۶۔

Waḥ ba al-Zuḥ ailī, *Islām and International Relations,* trans. Maulana Hakeem Ullah (Islamabad: Shariah Academy, 2010), 206.

6 عبدالحمید ابو سلیمان، **اسلام اور بین الاقوامی تعلقات**، ۶۶۔

Abdūl Hāmeed Abū Sūlemān, *Islam āur Baīn Alāqwāmī Tālūqāt*, 66.

7 التوبہ: ۳۲۔۳۴۔

Al-Taūbāh: 32-34.

8 التوبہ: ۳۶۔

Al-Taūbāh, 36.

9 عبدالحمید ابو سلیمان، **اسلام اور بین الاقوامی تعلقات**، ۶۶۔

Abdūl Hāmeed Abū Sūlemān, *Islam āur Baīn Alāqwāmī Tālūqāt,* 66.

10ابن قدامہ، **المغنی**، ۹:۱۹۵۔

Ibn Qūdāmāh, *Al-Mūghanī*, 9:195.

11البقرہ: ۱۹۰۔

Al-Bāqrāh: 190.

12ڈاکٹر حمید اللہ، **خطبات بہاولپور** (بہاولپور: اسلامیہ یونیورسٹی، ۱۹۸۱ء)، ۱۳۶۔

Dr. Hameed ūllah, *Khūtbāt e Bāhwlāpūr* (Bāhwālpūr: Islamiyyah University, 1981), 136.

13البقرہ: ۱۹۱۔

Sūrah Al-Bāqrāh: 191.

14التوبہ: ۳۶۔

Al-Taūbāh: 36.

15آل عمران: ۱۱۸۔۱۲۰۔

Āl Imrān: 118-120.

16محمد بن جریر الطبری، **جامع البیان عن تاویل آیٓ القرآن** (بیروت: دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر، ۱۹۸۰ء)، ۷:۱۳۸۔

Muhammad bin Jarīr al-Tābrī, *Jāmā ūl Bīyān ān Tāvīl āyī, al-Qūrān* (Beirut: Dar al Mārfāt llītabāt wal Nāshār, 1980), 7:138.

17ایضاً، ۷:۱۴۰۔

Ibid., 7:140.

18 المائدہ: ۵۱۔

Al-Māidah: 51.

19المائدہ: ۵۷۔۵۸۔

Al-Māidah: 57-58.

20ابن الاثیر المبارک بن محمد، **النہایہ فی غریب الحدیث والاثر** (بیروت: المکتبۃ العلمیۃ، س۔ن)، ۴:۲۳۱۔

Ibn Athīr *Al'Niyah fī Gharīb ul Hadith w al Athar* (Beirut: Al-Maktabah al 'ilmiyyah), 4:231.

21ابن جریر طبری، **جامع البیان عن تاویل ای القران**، تفسیر سورۃ الممتحنۃ: 8.

Tābrī, Jāmā ūl Bīyān ān Tāvīl ūl Qūrān ,Tafsīr, Al Mūmtūhīnāh ,8

22الممتحنۃ: ۱۔۳۔

Al-Mūmtūhīnāh: 1-3.

23علی بن محمد بن ابراہیم الخازن، **لباب التاویل فی معانی التنزیل** (مصر: مطبعۃ التقدم العلمیۃ، س ن) ۱:۴۶۔

Allā ūd Din Khāzān, *Lūbābūt Tāweel fi Mānī Al Tānzeel* (Egypt: Mātbāt al Tāqdeem al Ilmīyāh), 1:46.

24 التوبۃ: ۸۔۱۳۔

Al-Taūbāh: 8-13.

25التوبہ: ۲۳۔۲۴۔

Al-Taūbāh: 23-24.

26الممتحنۃ: ۸۔۹۔

Al-Mūmtūhīnāh: 8-9.

27 العنکبوت: ۴۶۔

Al-Ānkābūt: 46.

28 وہبہ الزحیلی، **آثار الحرب**، ۱۰۲۔

Waḥ abah al-Zuhalī, *Aāthar ul Hārab*, 102.

29 رشید رضا، **تفسیر المنار** (مصر: مکتبہ القاہرہ، ۱۹۴۷ء)، ۱۰:۱۷۸۔

Rasheed Raza, *Tāfsīr ūl Mānar* (Egypt: Maktabah Al-Qāhrah, 1947), 10:178.

30 التوبہ: ۱۰۔۱۱۔

Al-Taūbāh,10-11.

31 احمد بن یحییٰ البلاذری، **فتوح البلدان** (بیروت: ادارہ کتب العلمیہ، ۱۹۸۳ء)، ۷۲۔

Ahmād bīn Yāhyāh Bālāzrī, *Futūḥ al Buldān* (Beruit: Idrāh kūtūb al ʻilmīyyāh, 1983), 72.

32 یعقوب بن ابراہیم بن حبیب، **کتاب الخراج** (بیروت: دارالمعرفۃ والنشر، ۱۹۷۹ء)، ۲۵۷۔

Abū Yūsūf, *Kīātb ūl Khīrāj* (Beruit: Dār ūl Mārfāt wāl Nāshār, 1979), 257.

33 سید امیر علی، **روح اسلام**، مترجم: محمد ہادی حسین (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۹ء)، ۴۲۶۔

Ameer Ali, *Rūḥ al Islam*, trans. Muhammad Hadī Hussain (Lahore: Idārāh Thāqafāt Islamīya, 1999), 426.

34 ایضاً۔

Ibid.

35 ابو یوسف، **کتاب الخراج**، ۴۱۵۔

Abū Yūsūf, Kītāb al-Khīrāj, 415.

36 ایضاً، ۷۵۔

Ibid., 75.